سیکولر اسٹیٹ میں مناصب کی قبولیّت کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا موقف

مسلمان اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ ہوں تو حکومت میں شمولیت اور عہدوں کی قبولیت میں چنداں پس و پیش اور ہچکچاہٹ کا معاملہ نہیں، لیکن جب امتِ مسلمہ کا سابقہ ان ریاستوں سے ہو جو سینہ بختی سے اسلام کے معتدل نظامِ حکومت اور متوازن اسلوبِ حیات سے ناآشنا اور محروم ہوں اور وہاں باطل و ناقص نظریات کی حکمرانی ہو، تو مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ سیکولر اسٹیٹ (لادینی ریاست) میں عہدوں کی قبولیت کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا کیا موقف ہے؟ پیشِ نظر مضمون تاریخ کے دو عظیم اور سبق آموز واقعات کی روشنی میں اس کا مثبت جواب دینا ہے۔

پہلا واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ایمان افروز، عبرت آموز اور جمالی شخصیت کے متعلق ہے، جب کہ دوسرا واقعہ حبشہ کے مردِ مومن، حق شناس و انسانیت نواز حکمران اصحمہ نجاشی سے تعلق رکھتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام کی زندگی آغوشِ مادر سے لے کر مصر کے تخت پر جلوہ افروزی تک خاصی صبر آزما رہی ـــــ قدم قدم پر ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہونا پڑا، کنویں کی مہیب تاریکی سے سابقہ پڑا، اور مصر کے تختِ مرصع کی زینت بھی بننا پڑا۔ بازارِ مصر میں بحیثیت غلام کے بکے اور بعد میں اہلِ مصر کی آنکھوں کا تارا بھی بنے، لیکن استقلال و استقامت کے کوہِ ہمالہ اور اخلاق و کردار کے قطب مینار جیسے شخص کی جبینِ نیاز شکن آلود نہ ہوئی۔

یوسف علیہ السلام ایک مومن جانباز تھے، قسمت نے ان کو دربارِ نبی ؑ کا مکین بننے کے

بجائے ایک کفرستان کا زرخرید غلام بنا دیا۔ کافروں کی ایک جماعت نے اس گوہرِ نایاب کو بازارِ مصر میں جنس کم مایہ میں فروخت کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے غربت کی زندگی میں بھی اپنے اس عظیم بندے کی دست گیری کی اور ایک ایسے انسان دوست اور کریم شخص کے پاس آپ کو پہنچا دیا جس نے آپؑ کے ساتھ بیٹے جیسا معاملہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا

قرآنِ مجید میں ہے:

"وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا" (یوسف: ۲۱)

"مصر کے جس شخص نے ان کو خریدا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو اچھی طرح رکھنا، بعید نہیں کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔"

قدرت کی جانب سے حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کی بے بہا دولت نصیب ہوئی تھی اور اس جمالی شخصیت میں دل کشی اور جاذبیت کا عنصر اس قدر زیادہ کہ عزیزِ مصر کی زوجہ آپؑ پر فریفتہ ہو گئی اور ظلم و عدوان کے ساتھ اس معصوم پیغمبر کی بے داغ جوانی کو داغدار کرنے کی سعیِ نامسعود کی، لیکن اللہ تعالیٰ کے اس پاک دل اور پاکباز بندے نے اس کی طرف التفات نہیں کیا۔ اس کے باوجود آپ پر بہتان تراشی کی گئی، لیکن نصرتِ الٰہی اور عنایتِ ربانی ہر گام آپ کے شاملِ حال رہی اور اللہ نے اس کے الزام اور اس کے اور اس جیسی دوسری مفسد عورتوں کے مکر سے آپ کو بری کیا، بالآخر یوسف علیہ السلام کو پسِ دیوارِ زنداں کر دیا گیا ع

کرتا ہے خطا کون یہاں کس کو سزا ہوتی ہے؟

تاہم جیل کی آہنی سلاخیں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذہن و ضمیر پر قدغن نہ لگا سکیں، انھوں نے اس الم کدہ کو دعوت الی اللہ کا مرکز بنایا اور لوگوں کو عدل و مساوات کے قیام پر ابھارا ـــــ قصہ کوتاہ، اللہ نے سربلندی اور پاکبازی کے ساتھ آپ کو قید سے نجات دلائی اور بدخواہوں کو منہ کی کھانی پڑی ع

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون؟

پسِ دیوارِ زنداں کی غیر مصروف زندگی سے رہائی پانے کے بعد بھی آپ اپنے مشن سے غافل نہ ہوئے۔

آپؑ نے ایک باطل اور کافرانہ نظام کے درمیان، جس کے شاہانِ مصر عادی تھے، رہ کر حسبِ استطاعت عدل قائم کرنے کی کوشش کی۔ مزید برآں اہلِ مصر کو آئندہ سات سالوں میں رونما ہونے والے قحط کی جانب اشارہ کیا، نیز اس سے بچنے کی حکیمانہ تدبیریں بتلائیں اور عزیزِ مصر سے مطالبہ کیا:

"اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ" (یوسف: ۵۵)

"ملک کے خزانے میرے سپرد کر دیجیے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں، اور علم بھی رکھتا ہوں"

بادشاہت کی اس چاہت کے اندر ذاتی مفاد، شخصیت سازی، اور شہرت طلبی کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا، بلکہ اہلِ مصر کی بے ضمیری اور خدا فراموشی نے آپ کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ اس گندے سماج کو ایک صالح معاشرہ میں تبدیل کر دیں، اور اسی کو عملی شکل دینے کے لیے آپ نے منصب کی مانگ کی۔ اس مطالبے کا پس منظر یہ بھی تھا کہ مصری سماج میں کوئی ایسا باکردار شخص نہیں تھا جو اس خرابی کو دور کر سکے، اس کے برخلاف آپؑ کی پاکبازی اور فہم و فراست کے قصے پورے مصر میں مشہور تھے، اور اہلِ مصر آپؑ کی دیانت داری، عالی ظرفی، اور ضبطِ نفس کے قائل تھے۔ اس لیے ان کا حفیظ و علیم ہونا صرف ایک دعویٰ اور فریب نہیں بلکہ ناقابلِ انکار حقیقت تھی۔

زبانِ یوسفی سے اس جملے کا نکلنا تھا کہ دربار سے لے کر بازار تک ہر شخص نے اس پر لبیک کہی ـــــ مشیتِ الٰہی نے حضرت یوسفؑ کو زندان کی کوٹھری سے نکال کر مصر کے تخت پر متمکن کر دیا، جہاں سے توحید کی دعوت کو آپ بآسانی پھیلا سکیں، عدل و مساوات کی خوبیوں سے اہلِ مصر کو روشناس کرا سکیں، اور آئندہ پیش آنے والی قحط سالی کے یقینی حادثہ سے بچا سکیں۔

مصر کی بادشاہت اگر حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ایک نعمت تھی تو اہلِ مصر پر بھی اللہ کا فضلِ عظیم تھا کہ انھیں حضرت یوسفؑ جیسا منصف مزاج اور عادل حکمران ملا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ يَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَيۡثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيۡبُ بِرَحۡمَتِنَا مَنۡ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ" (یوسف: ۵۶)

"اس طرح ہم نے سرزمین میں یوسفؑ کے لیے اقتدار کی راہ ہموار کی، وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے، ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں، نیک لوگوں کا اجر ہمارے پاس ضائع نہیں جاتا۔"

اس اعزاز کے ملنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے مشن کی تبلیغ کے لیے ایک زریں موقع ہاتھ آگیا، لہٰذا آپؑ اہلِ مصر کو قحط سالی کی عظیم مصیبت سے بچانے کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

یوسف علیہ السلام کا سابقہ ایک کافر قوم سے تھا، اس لیے عدل کو قائم کرنے کے لیے ان کو پریشانیاں بھی آئیں، لیکن حتی الامکان انھوں نے اپنے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مصر میں ایسا نظامِ مالیات رائج تھا جس میں عدل کی خلاف ورزی کا بھی امکان تھا، جیسے ٹیکس جو وہاں کے عوام کی زمین اور غلہ جات پر فرض تھا، اور ایسے مخصوص حقوق تھے جو بادشاہ، اس کے مقربین، وزراء اور حاشیہ نشینوں کے لیے خاص تھے۔ اسی طرح وہ لوگ ناحق مال و منال لے لیتے تھے اور اس کو غیر عادلانہ طریقے پر رعایا کے مابین تقسیم کر دیتے تھے، لیکن یوسف علیہ السلام نے ایسے عدل شکن ماحول میں بھی حتی الامکان عدل و مساوات کا چراغ جلائے رکھا۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ کا قول

یہ واقعہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ عدل و انصاف کے قیام کے لیے غیر مسلم حکومت میں مناصب قبول کیے جا سکتے ہیں، جیسا کہ یوسف علیہ السلام ملکِ مصر کے خزائنِ ارضی کے منصب پر فائز ہوئے بلکہ انھوں نے عزیزِ مصر سے خزائنِ ارض کے منصب کی مانگ کی تھی، جب کہ بادشاہ اور اس کی قوم سب کافر تھے ——

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِى شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُم بِهِۦ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ ٱللَّهُ مِنۢ بَعْدِهِۦ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ ٱللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ" (المومن: ۳۴)

"اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس بیّنات لے کر آئے تھے، مگر تم ان کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے شک میں پڑے رہے۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم نے کہا، اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول ہرگز نہ بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ

ان سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شکی ہوتے ہیں۔"

دوسرے مقام پر ان الفاظ میں ان کے کفر کی جانب اشارہ کیا گیا ہے:

"یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔" (یوسف: ۳۹-۴۰)

"اے زندان کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔"

یہ آیات بتا رہی ہیں کہ اہلِ مصر کفر میں گرفتار تھے اور ساتھ ہی ان میں ایسی عادات اور طریقہ کا ہونا ضروری ہے جو مال کے لینے اور اس کو بادشاہ کے اہلِ خانہ، اس کے حاشیہ برداروں، لشکروں اور رعیت پر خرچ کرنے کے متعلق ان میں رائج ہو، اور یہ انبیاءؑ کی سنت اور ان کے عدل کے مطابق جاری نہ ہو۔ ایسے ماحول میں یوسف علیہ السلام کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ جو کچھ چاہتے کر گزرتے۔ یعنی جسے وہ اللہ کا دین سمجھتے تھے قوم اسے نہ مانتی، لیکن پھر بھی انہوں نے حتی الوسع عدل و احسان کو برپا کیا اور اقتدار کے ذریعہ اپنے مومنین اہلِ بیت کا اکرام وہ حاصل کیا جو اس کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے:

"فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔" (التغابن: ۱۶)

سورۂ مومن کی مذکورہ آیت (۳۴) میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اہلِ مصر کو توحید کی دعوت پیش کرنے میں چنداں تغافل نہیں کیا، لیکن پھر بھی ان لوگوں نے اس دعوت کا اقرار نہیں کیا اور کفر پر جمے رہے۔ اس کے باوجود یوسف علیہ السلام اقامتِ عدل سے دست بردار نہیں ہوئے، ہر چند کہ وہ کلّی طور پر اس باطل نظام کو تبدیل نہ کر سکے۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہت مل جانے کے بعد سجدۂ شکر ادا کیا، جس کی ترجمانی قرآنِ مجید یوں کرتا ہے:

"رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝" (یوسف : ۱۰۱)

"اے میرے رب تونے مجھے حکومت بخشی، اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہونچایا۔ اے زمین و آسمان کے بنانے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔"

آیتِ بالا اس کی طرف صریح دلالت کر رہی ہے کہ مسلمانوں کو جب موقع حاصل ہو تو کافر اقوام میں قیامِ عدل کرنا مشروع ہے، اِلّا یہ کہ اس سے روک دیا جائے۔ اگر لوگ مسلمان کے عدل وعلم کے حاجت مند ہوں اور وہ اس سے رک جائے تو گنہ گار ہوگا۔ یہ مقامِ غور ہے، یہ اس وقت ہے، جب لوگ کافر ہوں، مگر جب مسلمان ہوں اور مسلمانوں کو حاجت ہو کہ ان کے احوال کے ذمہ دار اہلِ دین وصلاح ہوں، نہ کہ اہلِ فساد، تو اس قضیہ کی اہمیت کا حال کیا ہوگا ؟

اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ

نجاشی ایک مردِ مومن تھے ـــــ ان کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نمازِ جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم دیا، جیساکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا تو آپؐ نے فرمایا :

"مات الیوم رجل صالح فقوموا فصلّوا علیٰ اخیکم اصحمة"

(حلایث رقم ۳۸۷۷)

"اصحمہ تم لوگوں کا ایک صالح بھائی تھا، اس کی نمازِ جنازہ ادا کرو۔"

نجاشی اپنے ایمان اور اسلام کے ساتھ ایسی قوم کے بادشاہ اور حاکم رہے جو کافر تھی اور توحید کی مخالف۔

نجاشی نے کفر وضلالت کی ہوائے تند وتیز کے سامنے ایمان ویقین کا چراغ روشن تر کیے رکھا اور حسبِ استطاعت وہاں عدل وانصاف کا قیام کیا۔ وہ حبشہ کی سلطنت سے دست بردار نہیں ہوئے، کیوں کہ ممکن تھا کہ اس صورت میں وہاں کسی کافر شخص کی حکومت ہو جاتی اور اس کے بعد عدل وانصاف کے قیام کا تصور خواب وخیال ہو جاتا۔

بلاشبہ دعوت الی اللہ کے لیے انبیاء کا منہج مصالح کا حصول اور ان کی تکمیل ہے جبکہ

دعوت الی اللہ حسبِ استطاعت ہے۔ ہر شخص ایسا نہیں کر سکتا کہ کامل طور پر عدل قائم کرے اور جو چاہے اکمل طریق پر کر گزرے ـــــ اقل حدِ ممکن تک برائیوں کو کم کرنا اور اکبر حدِ ممکن تک مصالح کا حاصل کرنا ہی انبیاء ورسل کا منہج رہا ہے۔ نجاشی کا قصہ سنت سے صریح دلیل ہے کہ کافر اقوام میں ایک مسلم عام منصب، بلکہ سب سے بڑا منصب بھی اختیار کر سکتا ہے، گو وہ لوگ شرک وکفر پر باقی رہیں۔ ہاں مسلم ان پر حجت قائم کرتا رہے اور انہیں اللہ کی طرف بلاتا رہے، گو وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں۔

سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی قیادت میں مسلمانوں کا قافلۂ سخت جان نجاشی پر وارد ہوا تو انھوں نے ان کا دلی خیر مقدم کیا اور ان کو امن وامان بھی دیا۔

قریش کو ان کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے عمروؓ بن عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ عمروؓ بن عاص ایک فطین اور زیرک انسان تھے، انھوں نے بادشاہ کو رام کرنے کے لیے بات کا آغاز نجاشی کے مزاج کے مطابق کیا اور کہا کہ ان سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے پوچھا جائے۔ عمروؓ بن عاص کا یہ جملہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے ایک ذہنی رشوت تھا۔

نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وضاحت طلب کی۔ انھوں نے سورۂ مریمؑ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، جن کو سماعت فرمانے کے بعد نجاشی نے کہا، "بلاشبہ یہ اور جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ایک ہی نور کی کرنیں ہیں۔" پھر زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام، جو انھوں نے بیان کیا، اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔" نجاشی کی اس بات پر اس کی حکومت کے وزراء چیں بہ جبیں ہوئے، لیکن نجاشی نے ان کے غصہ کی چنداں پرواہ نہ کی۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ "البدایہ والنہایہ" میں رقم طراز ہیں:

"حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف بھیجا۔ قریش کو جب ہمارے حالات کا علم ہوا تو انھوں نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو مکہ کی سوغات اور تحائف کے ساتھ نجاشی کے پاس بھیجا ـــــ یہ دونوں دربار میں پہونچ کر سجدہ ریز ہوگئے اور اس کے بعد اپنا مدعا بیان کیا:

"اے بادشاہِ معظم! ہمارے چچاؤں کے لڑکوں کی ایک جماعت نے آپ کے

ملک میں آکر پناہ لی اور ہمارے دین وملت سے منحرف ہو گئے ہیں۔" نجاشی نے کہا: "وہ لوگ کہاں ہیں؟"

سفراء قریش نے کہا کہ آپ ہی کی سرزمین پر موجود ہیں۔ نجاشی نے ہم لوگوں کو طلب کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور سلام عرض کیا، لیکن سجدہ نہیں کیا۔

درباریوں نے سوال کیا کہ آپ نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

اس پر اس مردِ حق گو نے کہا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ حق گوئی تھی ــــ سچ ہے ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

دوبارہ سوال کیا گیا کہ "تم صرف اللہ کو کیوں سجدہ کرتے ہو؟"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ایک رسولؐ مبعوث فرمایا ہے جس نے ہم کو صرف اسی ذاتِ واحد کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا ہے، اور اس کے ساتھ صلوٰۃ وزکوٰۃ کو بھی قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔" حضرت جعفرؓ کے اس جواب نے نجاشی کو بہت متاثر کیا۔ قریش کے سفراء نے یقینی شکست اور اہانت آمیز ناکامی کا دلخراش منظر آتا دیکھ کر اپنے ترکش کا آخری تیر چلایا جو غیر معمولی زہرناک تھا۔ انھوں نے کہا کہ یہ لوگ عیسیٰ ابن مریمؑ کی مخالفت کرتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پاکباز والدہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس کی روح اور کلمہ جو اس نے کنواری اور پاک دامن مریمؑ پر القاء کیا۔ یہ سُن کر نجاشی نے ایک لکڑی زمین سے اٹھائی اور حبشہ کے زعماء اور پادریوں کو خطاب کر کے کہا کہ جو کچھ اس نے بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے اس کے تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں۔

نجاشی نے مسلمانوں کو خوش آمدید کہا اور ان کو اعزاز واکرام سے امان دی، اور کہا کہ "یہ تو وہی رسولؐ ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔" اور فرطِ عقیدت سے اس نے یہ بھی کہا کہ "اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کی جوتیاں اٹھاتا۔"

قریش کے دونوں قاصد ناکام ونامراد اور ذلیل وخوار ہوکر وہاں سے نکلے!

روایت سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ نجاشی نے رسالت کا اقرار کیا، لیکن ان کی قوم کے لوگ ایمان نہیں لائے —— پھر بھی نجاشی اس غیر مسلم ریاست میں بادشاہت کے منصب پر برقرار رہے۔ اگر یہ اسلام کے مستلزمات اور شرائط میں سے ہوتا کہ حکومت میں کفار کی مشارکت سے علیحدہ اور دُور رہنا واجب ہے، تو اس مردِ حق شناس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پہ قائم نہ رکھتے اور اس کی موت کے بعد آپؐ یہ نہ فرماتے، کہ وہ "رجل صالح" ہے —— علاوہ ازیں صحابہ کرامؓ کو آپؐ نے اس کی نمازِ جنازہ غائبانہ کا حکم بھی دیا۔ لہٰذا اس میں شک نہیں کہ نجاشی کا اپنی بادشاہت پر باقی رہنا اور اپنی قوم کو حق کا حکم دینا اور ان کے درمیان عدل قائم کرنا اسے ترک کر دینے سے بہتر ہے۔ ہم جس مسئلہ پر گفتگو کر رہے ہیں، سنت سے یہ اس کی صریح دلیل ہے —— جیسا کہ ہماری تاریخ کی دو جلیل القدر اور اولعزم شخصیتوں نے کیا۔ پس ریا ونمود اور ہوسِ اقتدار کے جذبے سے بالاتر ہوکر خالصتاً لوجہ اللہ ایسے عہدوں کو قبول کرنا چاہیے، اور حتی الامکان عدل وانصاف کا قیام کرنا چاہیے۔

(بشکریہ "محدث" بنارس۔ انڈیا)

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ!

ادارہ "حرمین" کی طرف سے

فریضۂ رمضان کی ادائیگی پر قارئینِ

حرمین کو عید مبارک

ہو!